ایک کہانی

پانچ فراڈ

رائے زادہ

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں)

عنوان الو

قیمت ڈیڑھ روپیہ

تعداد گیارہ سو

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 24157
9.1.59
SRINAGAR

ALLAMA IQBAL LIBRARY
24157

پرنٹرز۔ جید برقی پریس بلیماران دہلی۔
پبلشرز۔ نورجہاں پبلیکیشنز دہلی۔

اُس مصنوعی داڑھی کے نام

جسے میں ایک مدّت تک غیر مصنوعی سمجھتا رہا

رائے زادہ

شیخ غلام محمد اینڈ سنز تاجران کتب
مائسمہ بازار - امیرا کدل - سری نگر - کشمیر

نوٹ

زیرِ نظر کتابچے کے تمام کردار فرضی ہیں کسی زندہ یا مردہ کردار سے ان کا تطابق محض اتفاقیہ ہے جس کے لئے مصنف، پبلشر اور پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہو گی۔!

عکس و آئینہ

کہانی سے پہلے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷

قصہ پہلے فراڈ کا ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۱

قصہ دوسرے فراڈ کا ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۳

قصہ تیسرے فراڈ کا ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۷

قصہ چوتھے فراڈ کا ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۱

قصہ پانچویں فراڈ کا ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶۷

ایک کہانی
پانچ فراڈ

نور جہاں پبلیکیشنز لال کنواں دہلی۔

کہانی سے پہلے

دیباچہ ہو یا تمہید، تعارف ہو یا پیش لفظ، غرضیکہ اپنی تصنیف کے متعلق مصنّف کو جو کچھ بھی لکھنا ہو وہ خود لکھے۔ میرے خیال میں ایک مصنف اپنی تصنیف کے ساتھ جو انصاف کر سکتا ہے وہ کوئی دوسرا دیباچہ نگار یا تقریظ نویس نہیں کر سکتا۔ یہ میری اپنی رائے ہے اور ہو سکتا ہے میری اس رائے پر کچھ عوامی دیباچہ نگار، تقریظ نویس اور نقاد حضرات ناک بھوں چڑھائیں۔ لیکن ان کے ناک بھوں چڑھانے سے میں اپنی رائے نہیں بدل سکتا کیونکہ میں اپنی رائے کے ہر ٹھوس پہلو اور ان کی انفرادیت کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ اس لئے میں اپنی رائے کے وزن سے بخوبی آگاہ ہوں۔ اور میں اس آگہی کی روشنی میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ زیر نظر تصنیف "ایک کہانی پانچ فراڈ" کے مصنّف رائے زادہ کے ساتھ میں کسی قسم کی زیادتی نہیں کروں گا۔ کیونکہ کوئی بھی ذی ہوش یا صاحب ادراک اپنی ذات کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا۔ رائے زادہ کو میں اتنا ہی سمجھتا ہوں جتنا کہ اپنے آپ کو۔ جس طرح میں اپنے تخیّل کو صفحۂ قرطاس پر اجاگر کر سکتا ہوں اسی طرح میں رائے زادہ کے تصورات اور تخیلات کو اپنے زورِ قلم سے بیان کر سکتا ہوں۔ جیسا کہ سعادت حسن منٹو نے افسانہ نگار منٹو کا خاکہ لکھتے ہوئے

کہا ہے کہ "منٹو میرا بہت ہی گہرا دوست ہے۔ ہم دونوں ایک ہی ساتھ اور ایک ہی مقام پر پیدا ہوئے اور ایک ہی ساتھ مریں گے۔ ہو سکتا ہے کچھ لوگ سعادت حسن منٹو کو اس کی موت کے بعد بھول جائیں مگر افسانہ نگار منٹو مرنے کے بعد بھی زندہ رہے گا۔ اسے لوگ نہیں بھول سکیں گے"۔ سعادت حسن منٹو کے اس قول کا تعاقب کرتے ہوئے میں ذرا سی ترمیم کے ساتھ یہ دعویٰ کروں گا کہ وشوا ناتھ درد یعنی راقم الحروف اور رائے زادہ ایک ساتھ جئیں گے اور ایک ساتھ مریں گے لیکن مرنے کے بعد ان دونوں کی یاد برابر زندہ رہے گی۔

جیساکہ دور حاضرہ کے بڑے بڑے دانشور کہتے ہیں کہ "آج کا ادب محض تصوراتی اور تخیلاتی ادب نہیں بلکہ آج کا ادب تو سو فیصدی زندگی کا ادب ہے"۔ دانشوروں کے اس قول کا تعاقب کرتے ہوئے رائے زادہ نے آج کی زندگی اور آج کے زندہ ادب کو پکڑنے اور سمجھنے کی جو کوشش کی ہے وہ اپنی جگہ ہر لحاظ سے کامیاب اور کامراں ہے۔ رائے زادہ نے جس انداز اور جس زاویئے سے آج کل کے خود ساختہ تہذیب یافتہ لوگوں کی ترقی پذیر سوسائٹی کا پوسٹ مارٹم کیا ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔ اور میں یہ لکھنے میں کوئی عار نہیں سمجھتا کہ رائے زادہ نے جس توازن اور ٹھہراؤ سے اپنی زیر نظر تصنیف "ایک کہانی پانچ فراڈ" کے چلتے پھرتے کرداروں کا مطالعہ کیا ہے وہ کافی بھرپور، بے داغ اور وزنی ہے۔

رائے زادہ کی زیر نظر تصنیف "ایک کہانی پانچ فراڈ اس کے تخیل کی ایک ایسی اچھوتی تخلیق ہے جسے صاحبِ نظر قاری محض ایک تخیلی ہیولا سمجھ کر فراموش یا نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ میں پورے اعتماد سے اس بات کا دعویٰ کرتا ہوں کہ رائے زادہ نے زیر نظر

کتابچہ کی زندگی کے لئے فکر وفن اور مشاہدہ کے زور سے جن کرداروں کو تراشا ہے ان کردارو
پر زندہ کرداروں کا شبہہ ہی نہیں بلکہ یقین سا ہونے لگتا ہے۔ اور پڑھنے والا ان کردارو
سے متعارف ہوکر یہ سوچنے لگتا ہے جیسے وہ ان کرداروں سے پہلے بھی کہیں مل چکا ہے۔
اور ان کرداروں سے مل کر پہلے پہل جو رائے اس نے ان کے متعلق مرتب کی تھی وہی رائے
اور وہی تاثر رائے زادہ نے اس کے ذہن سے چُرا کر سینۂ قرطاس پر بکھیر دیا ہے اور میں
سمجھتا ہوں کہ ایک کامیاب فن کار کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ وہ پڑھنے والے
کو ایسا سوچنے پر مجبور کر دے کہ فن کار اسی کی سوچی ہوئی بات کہہ رہا ہے قاری اور مصنّف
کی یہ ہم آہنگی زندہ فن کی نشان دہی کر سکتی ہے۔ اور میں برملا یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ
رائے زادہ کا فن اس کسوٹی پر سو فیصدی پورا اترے گا۔

مصنف نے "ایک کہانی پانچ فراڈ" کے پانچوں کرداروں کو ایک زنجیر کی
پانچ کڑیوں میں جس طرح منسلک کیا ہے اور جس انداز سے ان کی ترتیب میں اپنی ذہانت
کا ثبوت دیا ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے قاری یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ مصنّف
اپنے کرداروں کے نظریۂ حیات کو بڑی سنجیدگی اور دور رس نگاہوں سے دیکھ کر جو
نتائج برآمد کرے گا اس میں مصنف کے پختہ شعور کی چھاپ بڑی واضح اور نمایاں
ہو گی۔ اور ایک باشعور قاری کے لئے یہ دماغی دلچسپی کتابچہ کے شروع سے لے کر آخر
تک اپنے پورے طمطراق سے قائم رہتی ہے۔

زبان کے رکھ رکھاؤ اور محاورہ بندی میں رائے زادہ نے جس پختہ کاری سے
کام لیا ہے اس سے اس کے بدترین قسم کے دشمن بھی انکار نہ کر سکیں گے۔ استعاروں
کی اشاریت اس قدر واضح اور غیر مبہم ہے کہ پڑھنے والا مصنف کے مقصد کو فوراً سمجھ

جاتا ہے۔ محاوروں کے اُلٹ پھیر سے کہیں کہیں طنز اور مزاح اس طرح گلے ملتے ہیں، کہ پڑھنے والے کا احساس تک جھنجھنا اُٹھتا ہے۔ اور اس کا دل مزاح کی چاشنی میں ڈوبنے لگتا ہے۔

رائے زادہ کا طرز تحریر اور انداز بیان بڑا پیارا اور دلکش ہے۔ اس کی تحریر میں بلا کی شگفتگی اور بہاؤ ہے۔ میں رائے زادہ کے اچھوتے اسلوب اور اس کے فنّی شعور کے بل بوتے پر ابھی بہت کچھ اور لکھ سکتا ہوں۔ مگر ہائے رے۔ اس تنگیٔ داماں کا کروں کیا۔ جو میرے قلم کو قدم قدم پہ روک رہی ہے!

آپ زیر نظر کتابچہ کا مطالعہ اپنے پورے خلوص سے کریں اور پھر رائے زادہ کو اس پیش لفظ کی روشنی میں دیکھیں اور سوچیں کہ میں کہاں تک حق بجانب ہوں اور رائے زادہ کہاں تک قابل قدر اور باشعور فن کار ہے۔

وشوا ناتھ درد
۲۲/۲۳ آریہ سماج روڈ
۶۵۵ نئی دہلی ۵

قصہ

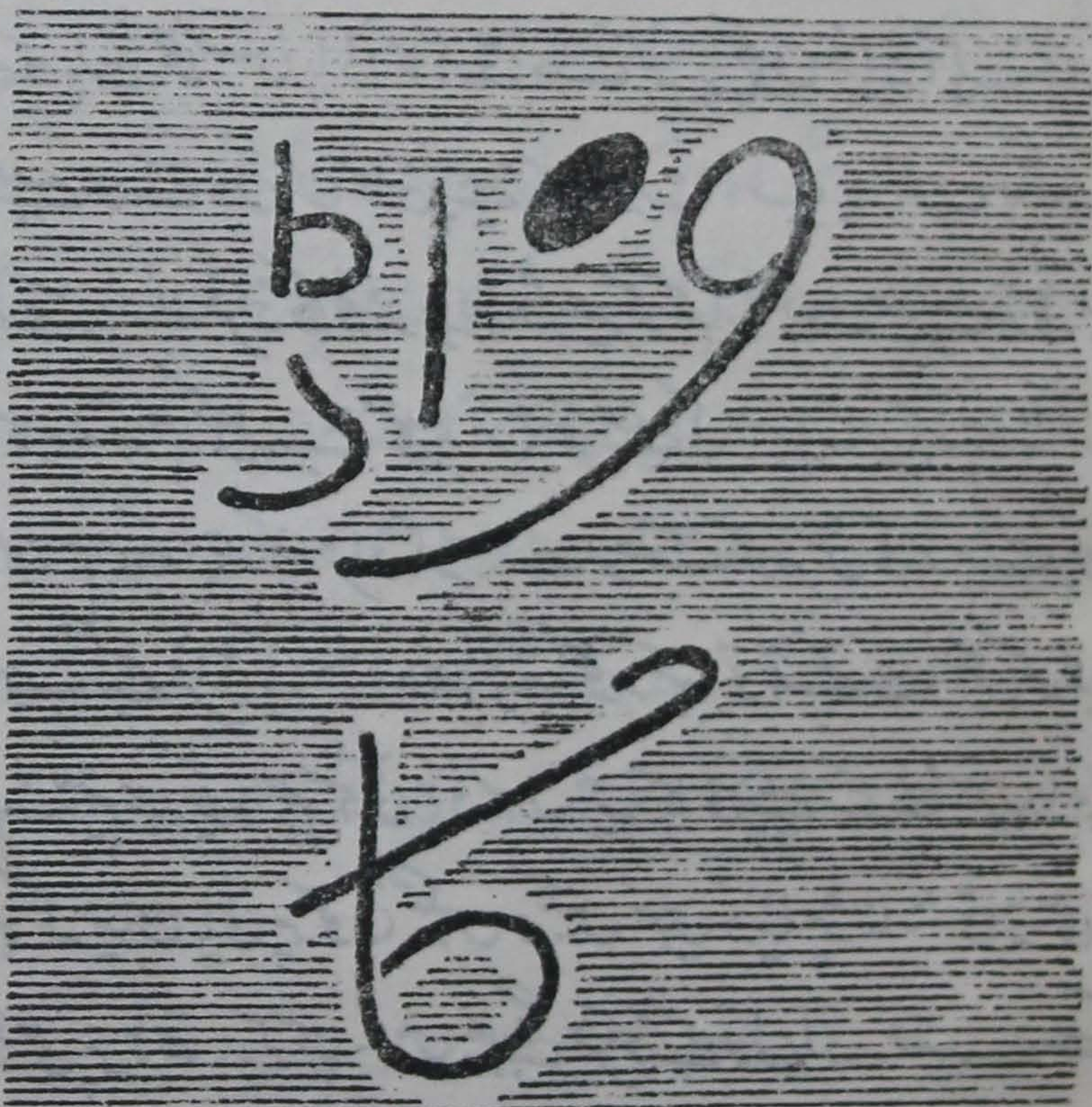

بیرے کو پانچ گلاس پانی کا آرڈر دے کر پانچوں فراڈ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ جیسے ان کے دل میں کافی پینے کا بھوت آپ ہی آپ جاگ اُٹھا ہو لنگڑے فراڈ نے توند والے فراڈ کی توند پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "کیوں میرے ترقی پسند ساتھیو کیا کافی وافی کا پروگرام نہیں بنے گا؟ آج تو مہینے کی پہلی تاریخ ہے!"

کافی کا نام سنتے ہی گنجا فراڈ کرسی سے لڑھک کر فرش کی زینت بن گیا۔

بھینگے فراڈ نے جب گنجے فراڈ کی اس دُور دِشا کو دیکھا تو آپے سے نکل کر بولا۔ "اے میرے ترقی پسند یتیم بھائیو! ہم کافی ہاؤس میں کافی پینے کے لئے نہیں، پانی پینے کے لئے آئے۔ کیونکہ یہاں پانی پر کوئی ٹیکس ویکس نہیں دینا پڑتا۔" ڈاڑھی والے فراڈ نے اپنی لمبی داڑھی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "میں بھینگے فراڈ کے قول اور عقیدے سے مکمل اتفاق رکھتا ہوں!"

داڑھی والے فراڈ کا جملہ ابھی اس کے گلے میں ہی اٹکا ہوا تھا کہ لنگڑے فراڈ نے اپنی پلاسٹک کی ٹانگ کو پسارتے ہوئے جمائی لی۔ گئی فراڈ تینوں شانے چت ہو گئے۔ اور توند والا فراڈ بیلن کی طرح لڑھکتا ہوا داڑھی والے فراڈ کی گھنی داڑھی کے سائے میں بیٹھ کر بولا۔

"آؤ دوستو! آج کافی پینے کی بجائے داڑھی والے فراڈ کی گرما گرم داستان سننے کے لئے اس جھاڑی دار داڑھی کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھو۔ اور خدائے برتر سے دعا کرو کہ وہ اس داڑھی کو محبوب کی زلف سے بھی طویل، اور ہجر کی شب سے بھی زیادہ دراز کرے۔"

داڑھی والے فراڈ نے اپنی داڑھی میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے بڑے جوش میں آ کر یہ مصرعہ پڑھا۔ ع

"اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی"۔

"مرحبا مرحبا" کے فلک شگاف نعروں سے فضائیں شگاف ہو گئے اور کافی ہاؤس کی پختہ چھت یوں ٹپکنے لگی جیسے نیم عریاں گگو کے رومان پرور ڈانس دیکھ کر اسٹوڈیو میں لائٹ گھمانے والے کے منہ سے رال ٹپکتی ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ سب فراڈوں کے کپڑے بھیگ گئے۔ داڑھی والے فراڈ کا دامن بھی تر بہ تر ہو گیا۔ وہ دامن نچوڑتے ہوئے اپنے شیخ صورت فراڈوں کو گھورتے ہوئے بولا ؎

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سب فراڈوں نے وضو کرنا شروع کر دیا۔ لیکن بھینگا فراڈ اپنی جگہ پر بالکل ساکن و جامد بیٹھا رہا۔ وہ بولا۔ "میرے تر بتر بھائیو! مجھے تر چیزوں سے سخت نفرت ہے۔ میں ڈرائی کلین کا قائل ہوں۔ وضو کرنا تو درکنار، میں تو غسل کرنا بھی اصولی کُفر سمجھتا ہوں۔ اور......

داڑھی والے فراڈ نے اپنی کھچڑی مار کہ داڑھی سے سب فراڈوں کے منہ پونچھتے ہوئے کہا: "میرے تر دامن بھائیو! میں ایک شاعر فراڈ ہوں۔ شاعر اس لئے ہوں کہ شعر گڑھتا ہوں۔ شعر کہنے والوں سے ملتا ہوں اور شعر چُراتا ہوں۔ فراڈ اس لئے ہوں کہ میری داڑھی فراڈوں والی ہے۔ میں قہر فراڈ بر جانِ فراڈ کے مصداق آل انڈیا شاعروں اور مصنّفوں کے بائیکاٹ کے باوجود لوکاٹ کھا کھا کر جی رہا ہوں۔"

یہ سُن کر گنجے فراڈ نے جیب سے ریوڑی نکال کر ٹافی کی مانند چباتے ہوئے کہا۔ "میرے شاعر نصیب دوست! بہتر ہے کہ تو مختصر طور پر اپنی داستان بیان کرے۔ تاکہ ہم مفصّل طور پر تم سے اظہارِ ہمدردی کر سکیں۔"

شاعر فراڈ نے اپنی جٹاؤں کو جھٹکا دیتے ہوئے کہنا شروع کیا "میرے پاک دامن دوستو! میری صورت دیکھ کر مجھے گورو دیو نہ سمجھو۔ "بھولی بھالی صورت والے ہوتے ہیں جلّاد بھی"، کے مصداق میں گورو دیو کا چربہ ہو سکتا ہوں۔ میرے ڈھیلے ڈھالے کپڑے دیکھ کر مجھے باولا نہ سمجھو۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ ہر ڈھیلے ڈھالے کپڑوں والا باؤلا ہی ہو۔ یہ اور بات ہے کہ باؤلے کے کپڑے ڈھیلے ڈھالے ہوتے ہیں۔ میری داڑھی دیکھ کر مجھے خضر نہ سمجھو۔ کیونکہ داڑھی تو بکرے کے بھی

ہوتی ہے۔ بہرکیف یہ یاد رکھو کہ ہر چمکنے والی چیز سونا اور ہر ڈاڑھی والا شخص ٹیگور یا برنارڈ شا نہیں ہو سکتا۔"

"ہم اتنے کوتاہ نظر نہیں فراڈ بابا۔" گنجے فراڈ نے چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ داڑھی والے فراڈ نے اپنی داڑھی کو اپنی داستان کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"میرے خوش دامن فراڈو! میں دنیا کا سب سے بڑا فراڈ اور ہندوستان کا سب سے بڑا کلاکار ہوں۔ مگر لطف کی بات تو یہ ہے کہ نہ تو کامل فراڈ ہی بن سکا ہوں اور نہ ہی کلاکار بن کر اس قدر کمایا ہے کہ قینچی کے صابن سے داڑھی صاف کر سکوں۔ یا بلی کی پالش سے چرائے ہوئے براؤن جوتوں پر کالی پالش لگا سکوں:

"یہ میری بدقسمتی ہے اور غالباً میں بدقسمتی لے کر ہی پیدا ہوا ہوں۔ شاید یہ میرے پورو جنم (گذشتہ جنم کے مطابق آواگون) کے کرموں کا پھل ہے کہ مجھے پیدائش سے پہلے ہی آٹھ ماہ جیل میں بند رہنا پڑا۔ اور اپنے حُسنِ سلوک سے بیگم پارہ کی طرح ایک ماہ پہلے ہی مجھے تاریک ترین کوٹھری سے نکال دیا گیا۔ آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ میں پیدائشی داڑھی والا ہوں۔ میں نے اپنی پیدائش کے پچیس برس تک داڑھی نہیں منڈوائی لیکن قدرت نے میری شادی کر کے میری حجامت ہی کر دی۔ سر منڈوانے سے پہلے ہی اتوار پوچھ لیا گیا۔ بیوی کیا ملی آفت کا پرکالہ۔ داڑھی کی دشمن۔ وہ کم بخت میری داڑھی سے جس قدر نفرت کرتی تھی میرے دوستوں کی مونچھوں سے اسی قدر پیار۔ اسے میری جٹاؤں سے نفرت تھی۔ اور میرے ملنے والوں کی لٹوں سے محبت۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ

میری بیوی مجھ شاعر صورت سے کھنچی کھنچی سی رہنے لگی اور میرے شاعر سیرت دوستوں سے کھنچی کھنچی۔ گھر کی خانہ جنگی نے مجھے دیش دیش گھومنے پر مجبور کر دیا۔ میں دل کی شانتی تلاش کرنے کے لئے درویش نما فراڈ بن کر گھر سے نکل پڑا۔ میری بیوی نے مجھے عاشق کے جنازے کی طرح خوب سج دھج اور دھوم دھام سے نکالا۔

میں کلاکار بن گیا۔ اور اتفاق سے بیوی کا نام بھی کلا تھا۔ میں دیش دیش پھر کر کلا بیچنے لگا۔ ایک دیش کی کلا دوسرے دیش میں، اور دوسرے کی تیسرے دیش میں فروخت کرنے سے میں بہت بڑا کلاکار بن گیا۔ اپنی داڑھی سے بھی بڑا۔ لیکن اتنے پاپڑ بیلنے پر بھی پیٹ کا تنور ٹھنڈا نہ ہوا اور میں پاپڑ بیلتا چلا گیا۔

ایک دن تو کمال ہی ہو گیا۔ غالباً یہ بمبئی کی بات ہے میں اپنی کلا کو کسی پرڈیوسر کے پاس بیچنے کی فکر میں تھا۔ دو تین دن تک برابر زگار خانوں، مے خانوں، قہوہ خانوں اور تہ خانوں کا طواف کرنے پر بھی میں اپنی کلا فروخت نہ کر سکا۔ حالت یہ ہو گئی کہ جیب میں پھوٹی کوڑی تک نہ رہی۔ کہ اتفاقاً ایک شاعر سے ملاقات ہو گئی۔ جب میں نے اپنا نام اُسے بتایا تو وہ چونک کر میری کلا کی تعریف کے پُل باندھنے لگا۔ کہنے لگا مجھے تمہاری کلا بہت پسند ہے۔ مجھے تمہاری کلا سے بے حد محبت ہے اور۔۔۔۔ میں نے لپک کر کہا! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تمہیں میری کلا پسند ہے۔ اس پسند کے صدقے تم مجھے ایک کپ چائے پلا دو۔

اس پر وہ شاعر داد طلب انداز میں ہنس کر بولا۔ اگر تمہاری کلا تمہارے ساتھ ہوتی تو میں تمہیں چائے کی بجائے بیئر پلاتا۔

میں نے اس بیوقوف کی بات کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ رات پڑ رہی تھی پیٹ میں کتے بھونک رہے تھے۔ اور چوہے کتھا کلی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ میں ایک حسین طوائف کے بالاخانے پر پہنچ گیا۔ سو فیصدی درویشانہ انداز سے اُسے دیکھتے ہوئے میں نے کہا، "دیوی کلیان ہو۔ اے کلوپیٹرا تم خوبصورتی کی وہ ملکہ ہو جسے اندر کے دربار میں سب سے پہلے محبت کے دیوتا نے اپنی ٹیڑھی آنکھ سے دیکھا تھا میں تمہاری تلاش میں تھا۔ بیٹی آج میں تمہیں یہ بردان دیتا ہوں کہ اس کوٹھے سے کوئی بھی نامُراد واپس نہیں جائے گا — کوئی بھی ....."

یہ سُن کر اس نے میرے گرد آلود پیر پکڑ لئے۔ اور اس رات کی تمام کمائی میرے قدموں پر ڈال دی۔ اس کی حق حلال کی کمائی سے میرے کئی دن مزے سے گذر گئے۔ اسی اثناء میں ایک اور شاعر درویش سے ملاقات ہو گئی۔ ایک مشاعرے میں ہم دونوں کو مدعو کیا گیا۔ وہاں سگریٹ اور رس گلوں سے ہماری جی کھول کر تواضع کی گئی۔ سگریٹ اور رس گلے بڑی بے دردی سے لُوٹے اور لُٹائے گئے جب مشاعرہ ختم ہونے کے بعد ہم پنڈال سے باہر نکلے تو میں نے اپنے ساتھی شاعر درویش سے کہا: "میرے دوست! میں نے دو دن کے کھانے کا انتظام کر لیا ہے ستائیس رس گلے مشاعرے سے چُرا کر لے آیا ہوں۔"

"کہاں ہیں؟" میرے ساتھی نے رس بھری نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تھیلے میں!" یہ کہہ کر میں نے تھیلا آگے کر دیا۔

"ستیاناس!" وہ غصے میں چیخا۔ "ارے بدبخت تو نے میرے سالے سگریٹ

تباہ کر دیئے ہوں گے۔ میں نے پورے چوّن سگریٹ چُرا کر اسی تھیلے میں ٹھونسے تھے۔"

سب فراڈوں نے اپنی اپنی بیڑیاں نکال کر گرم گرم آہوں سے سُلگانی شروع کر دیں۔ داڑھی والے فراڈ نے اپنی داڑھی کے جال سے ایک مکھّی کو چھٹکارا دلا کر کہنا شروع کیا۔

"میرے اُٹھائی گیرے بھائیو! اپنی کلا کو میں نے بیچنا چاہا مگر بک نہ سکی۔ اور اپنی کلا (جو مجھے بناتی تھی) کو اپنانا چاہا لیکن ٹِک نہ سکی۔ آخر تھک ہار کر میں نے ایک محبوبہ کی آڑ لی۔ اسے دیکھ کر میں جینے لگا۔ اور وہ مجھ پر مرنے لگی۔ وہ گھنٹوں میری داڑھی کے بال گِنتی رہتی۔ اور میں اس کے دل کی دھڑکنیں شمار کرتا رہتا۔

ایک دن میں نے اپنی کلا سے نفرت کی وجہ پوچھی تو وہ بولی "مجھے تمہاری اس داڑھی سے بہت ڈر لگتا ہے" میں نے فوراً ہی درزی کی دکان پر جا کر داڑھی کٹوا لی۔ اور جب داڑھی کٹوا کر میں گھر واپس پہنچا تو داڑھی کی مانند کلا بھی غائب تھی۔ کلا سے نا اُمید ہو کر میں نے محبوبہ کے گھر کی راہ لی۔ اس نے میرے رُخِ شفاف کو دیکھتے ہی کہا۔

"کہیئے صاحب آپ کون ہیں اور کس سے ملنا چاہتے ہیں؟"

میں نے اسے ہزار سمجھایا کہ میں داڑھی والا کلاکار ہوں، ہیں تمہارا یارِ غار ہوں۔ میں وہ ہوں جس کی داڑھی کے بال تم گِنا کرتی تھیں۔ میں وہ ہوں جو تمہیں دیش دیش کے گیت سُنایا کرتا تھا۔ میں وہ ہوں...."

"چُپ بدمعاش ." وہ میرے منہ پہ تھپڑ جما کر چمکی "تم وہ نہیں ہو۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ اگر تم وہی ہو تو وہی داڑھی لے کر آؤ جس کا ایک ایک بال میں نے گن رکھا ہے۔ مجھے تم سے نہیں تمہاری داڑھی سے محبّت ہے"

میں وہاں سے دم دبا کر بھاگا۔ گھر پہنچا تو بیوی موجود۔ اس نے پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ پیار بھرے انداز سے اس نے میرے رُخ شفاف کی تعریف کی۔ اور پھر اس نے مجھے میٹھی میٹھی لوریاں دے کر اپنی گود میں سُلا دیا۔ نہ جانے اس جادوگرنی نے کیا جادو پھیرا کہ رات رات میں میری داڑھی پھر اُگ آئی اور میں صبح اُٹھتے ہی اپنی محبوبہ کے گھر کی جانب دوڑا۔ وہ کھڑکی کی طرف منہ کئے کھڑی تھی میں نے جاتے ہی اُسے شانوں سے پکڑ لیا اور کہا۔

"لو میری جان۔ اب میں داڑھی لے کے آیا ہوں" اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میرے پاؤں تلے کی زمین سرک گئی۔ یہ تو میری کلا تھی۔ ڈانٹ کر بولی۔

"ارے مردود۔ تم تو کہتے تھے کہ صرف مجھی کو چاہتے ہو آج تمہارا پول کھل گیا۔ کیا تم جانتے نہیں کہ مجھے تمہاری داڑھی سے سخت نفرت ہے"

میں ایک بار پھر وہاں سے داڑھی دبا کر بھاگا۔ اور بھاگتا ہی چلا گیا۔ اس بھاگ دوڑ میں کافی عرصہ تک میں داڑھی کی آڑ میں شکار کھیلتا رہا۔ رات بھر بیوی کے پاس بغیر داڑھی کے رہتا اور دن بھر محبوبہ کے پاس داڑھی کے ساتھ — !"

لنگڑے فراڈ نے اپنی لنگڑی ٹانگ کو کھُجلاتے ہوئے کہا "لیکن مہاشے! یہ رات رات بھر میں آپ کی داڑھی پھر کیسے پیدا ہو جاتی تھی؟"

داڑھی والے فراڈ نے ایک ہی جھٹکے سے اپنی داڑھی کو اپنے چہرے سے

اُکھاڑتے ہوئے جواب دیا۔" میرے چاک دامن بھائیو! میری داڑھی مصنوعی ہے یہ میں فرانس سے لایا تھا۔ آپ کو یہ سُن کر تعجب ہو گا کہ تین ماہ متواتر ولیم شیکسپیئر نے بھی یہی داڑھی استعمال کی تھی۔ کیونکہ ایک بار میں یہ اُن کے ہاں بھول آیا تھا۔"

" لیکن آپ وہاں کیوں گئے تھے؟" بھینگے فراڈ نے اپنی ٹیڑھی آنکھ کو قدرے دبا کر پوچھا۔

داڑھی والے فراڈ نے داڑھی سے چہرہ صاف کرتے ہوئے جواب دیا" میں سب بڑے بڑے شاعروں، ادیبوں اور مصنّفوں کا دوست ہوں۔ اور اُن کی کلا چُرانے کے لئے ان کے ہاں آیا جایا کرتا ہوں لیکن میری کلا ....."

لنگڑے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی کلائی تھام کر کہا۔" میرے دوست تم اپنی کلا کو بھول جاؤ۔ کیونکہ تمہاری کلا تمہاری اپنی نہیں۔ اس بات کا میری طرح تمہیں خود بھی احساس ہے اور پھر تم تو ایک ذہین اور مستند فراڈ ہو۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم اپنی کلا کا خیال چھوڑ دو۔"

داڑھی والے فراڈ نے اپنی داڑھی میں اپنے آنسو جذب کرنے شروع کر دیئے جس سے سب فراڈوں کو پسینہ آ گیا۔

توند والے فراڈ نے اپنی نم آلود نگاہوں سے لنگڑے فراڈ کی جانب دیکھا۔ جو گنجے فراڈ کی چمکیلی چاند پر ٹپ ٹپ آنسو گرا رہا تھا۔ اور بولا۔" بھائیو! داڑھی والے فراڈ کی طویل مختصر داستانِ حیات کو آپ سب نے کان کھول کر سُن لیا۔ اب ذرا کافی ہاؤس کے اِن ناخلف بیرا لوگوں کی سعادت مندی پر بھی دو دو آنسو بہا لو۔ دیکھو نا۔ ابھی تو ہم لوگوں نے صرف پانی کا ہی آرڈر دیا تھا تو

یہ حالت ہے۔ اگر کہیں غلطی سے کافی کا آرڈر بھی دے دیا ہوتا تو پھر۔۔۔“

گنجے فراڈ نے اپنی چاند سے لنگڑے فراڈ کے گرم گرم آنسو رومال میں سمیٹتے ہوئے کہا۔

” مجھے توند والے فراڈ کے بیان سے پورا پورا اتفاق ہے اور میں امید کرتا ہوں اپنے سب فراڈ بھائیوں سے کہ وہ بیرے کی اس ناقابلِ برداشت گستاخی کے خلاف پُر زور احتجاج کرتے ہوئے کافی ہاؤس سے واک آؤٹ کریں گے۔“

لنگڑا فراڈ جو ابھی تک خاموشی سے توند والے اور گنجے فراڈ کے تاثرات میں ہمہ تن محو تھا، کرسی سے دو فٹ اوپر اُچھل کر فرش پر جا پڑا۔ اور ٹھنڈے ٹھنڈے فرش پر ڈنڈ پیلنے میں مشغول ہو گیا۔

داڑھی والے فراڈ نے حالات کو قابو سے باہر ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنی داڑھی کو میز پر پٹک کر گرجا۔ ” میرے پیارے، پیارے فراڈ بھائیو۔ یہ کافی ہاؤس ہے (یہاں دل کا لگانا کس کو آتا ہے) اکھاڑہ نہیں۔ یہاں غریب بیرے کی ذرا سی گستاخی پر اس طرح لال پیلا ہونا ہرگز ہرگز مناسب نہیں۔ ذرا عقل سے کام لو اور سوچو یہاں کون سی ہماری ماں بیٹھی ہے جو ہماری ناز برداری کرے گی۔ عزت اسی میں ہے کہ اب کافی ہاؤس سے چپ چاپ نکل بھاگو۔“

توند والے فراڈ نے اپنی فٹ بال نما توند کو سہلاتے ہوئے کہا۔ ” درویش بابا ٹھیک کہتے ہیں۔ اور پھر اب تو کافی ہاؤس کا بڑا دروازہ بھی بند ہونے والا ہے۔ اب اُٹھو اور کافی کی جگہ ڈرھیل بابا کی بصیرت افروز داستان کے چٹخارے لیتے ہوئے اپنی اپنی راہ لو۔ نہیں تو دھکے مار مار کر نکلوا دیئے جاؤ گے۔“

تونے والے فراڈ کی تجویز پر عمل درآمد کرتے ہوئے پانچوں فراڈ آئندہ کی ملاقات کا پروگرام بنا کر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

قصہ دوسرے

گذشتہ ملاقات کے بعد آج پھر وہ پانچوں فراڈ ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے تھے۔ آج ان کی دوسری کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ لنگڑے فراڈ کی قیادت میں ترقی پسند فراڈوں کا یہ پانچ ہزاری قافلہ آج کافی ہاؤس کی بجائے "کیفے ٹریا" پر یلغار کر رہا تھا۔ کیفے ٹریا کے کھلے صحن میں بچھی ہوئی میز کرسیاں جیسے ایک مدت سے انہی کا انتظار کر رہی تھیں۔ کرسیوں پر آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کے بعد توند والے فراڈ نے اپنی غبارہ سی توند کو بڑی شفقت سے سہلایا۔ داڑھی والے فراڈ نے حسب معمول اپنی داڑھی کی نوک پلک کو سنوارا۔ گنجے فراڈ نے اپنی لق دق صحرا جیسی چاند سے پسینہ خشک کرتے ہوئے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ لنگڑے فراڈ نے حسب معمول اپنی لنگڑی ٹانگ کو پچکارا۔ اور بھینگے فراڈ نے اپنی بھینگی آنکھ سے پچھتر ڈگری کا زاویہ بنا کر اپنے یتیم بھائیوں کو ہمدردانہ نگاہوں سے تاکتے ہوئے

کہا۔

"ساتھیو! یہ "کیفے ٹریا" ہے۔ یہاں "آپ اپنی مدد کرو" کا فارمولا بڑی سختی سے لاگو ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں ہمیں پانی کے لئے بیراجی کی خوشامد نہیں کرنی پڑے گی۔ بلکہ پانی کے لئے ہمیں خود حرکت کرنا پڑے گی — حرکت — حرکت جو ہماری زندگی ہے — حرکت — حرکت جو ہماری زندگی کی بنیاد ہے اور حرکت ....

گنجے فراڈ نے بھینگے فراڈ کی لیکچر بازی کا کچومر نکالتے ہوئے کہا۔

"حرکت حرکت کیا بک رہے ہو۔ حرکت کس چڑی مولے کا نام ہے ابھی تو تجھے یہ بھی معلوم نہیں۔ ارے اللہ کے بندے! ہم حرکت کے نہیں بلکہ حرکت ہماری محتاج ہے"۔

لنگڑے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی داڑھی سے ہاتھ پونچھتے ہوئے گنجے فراڈ کی تقریر کا سر ایک ہی وار سے قلم کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "تم دونوں احمق ہو، گدھے ہو اور اُلّو کے چرخے ہو۔ چرخے ... کیوں سائیں بابا کیسی رہی؟ — میں کوئی غلط تو نہیں بک رہا — نا ...." اس نے داڑھی والے فراڈ کی عینک لگی موٹی موٹی آنکھوں میں جھانک کر داد طلب کی۔

سب فراڈوں کو لنگڑے فراڈ کی زہریلی تقریر کا سانپ ڈنک مار گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے خاموشی اُن کے آگے، پیچھے۔ دائیں، بائیں رقص کرتی رہی۔ توند والے فراڈ نے میز کے چوڑے چکلے سینے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے داڑھی والے فراڈ کی جانب دیکھ کر کہا۔ "کیوں استاد۔ پانی وانی ہو جائے؟"

ڈاڑھی والے فراڈ نے اپنی چور نظروں سے دائیں بائیں دیکھ کر انتہائی رازدارانہ لہجہ میں جواب دیا۔ "تو پھر دیکھتے کیا ہو۔ سوشل سروس کا اس سے اچھا وقت اور کب ملے گا۔ جاؤ اور پانی سے لبالب بھرے ہوئے گلاس لاکر اپنے فراڈ بھائیوں کے سامنے سجادو۔ تاکہ میز کا خالی دامن تو کچھ نہ کچھ بھر جائے۔ اور اڑوس پڑوس کی میزوں سے جو لوگ ہمیں اپنی بھوکی نگاہوں سے گھور رہے ہیں انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ہم یہاں کوئی بیکار کی کرسیاں توڑنے نہیں آئے۔ بلکہ کچھ کھانے پینے آئے ہیں۔"

توند والے فراڈ نے اپنی پھولی ہوئی توند کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "جیوء سائیں بابا جیوء۔ آپ کی دور اندیشی تو آپ کی داڑھی سے بھی زیادہ معتبر نکلی۔"

بھینگے فراڈ نے اپنی ٹیڑھی آنکھ سے توند والے فراڈ کی جانب دیکھ کر کہا۔ "مسکہ پالش تو خوب کرتے ہو۔ یہ فن بھی کوئی تم سے ہی سیکھے۔ اس فن میں ظالم تمہارا جواب نہیں۔"

گنجے فراڈ نے اپنی چمکیلی چاند سے مکھی کو اڑاتے ہوئے کہا۔ "خدا تم سب کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے۔ ارے بھلے مانسو۔ کبھی کبھار کوئی کام کی بات بھی کر لیا کرو۔ گرمی سے روح تک ہلکان ہوئی جا رہی ہے۔ اور تم ہو کہ شعر و شاعری کی زمین میں اپنی ذہانت کے ہل چلا رہے ہو۔ ظالمو اُٹھو۔ پانی کے پندرہ بیس گلاس لے آؤ۔ نہیں تو غریب فائر بریگیڈ والوں کو خواہ مخواہ کے لئے تکلیف کرنی پڑے گی۔"

بھینگے فراڈ نے گنجے فراڈ کی بات کو لقمہ دیتے ہوئے کہا۔ "دوستو! میں

مونگ پھلی اور بھنے ہوئے چنے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ ٹھنڈے پانی کے ساتھ خوب مزا دیں گے۔" لنگڑے فراڈ کے منہ سے ٹپ ٹپ رال ٹپکنے لگی۔

توند والے فراڈ نے اپنی مہاشائی توند کو سہارا دے کر اُٹھایا۔ اور پانی لینے چلا گیا۔ بھینگے فراڈ نے اپنی بھینگی آنکھ سے گنجے فراڈ کی ناک کا نشانہ لے کر گولی داغ دی۔ سبھی فراڈ "لمم لیٹ" ہو گئے۔ کیفے ٹریا کی پوری فضا گونج گئی۔ سبھی لوگ اپنی اپنی کرسیوں سے پھسل کر میزوں کے نیچے گھس گئے۔ لنگڑے فراڈ نے سہمے سہمے ماحول کو دیکھ کر اپنے گروپ کی انقلابی فتحمندی کا اعلان کرتے ہوئے بولنا شروع کیا۔

"ساتھیو۔ آج کا مورچہ یقیناً ہمارے ہاتھ رہے گا۔ اپنی اپنی کرسیوں اور میزوں کے نیچے سے نکل کر دیکھو۔ پوری فضا کو ہمارے قہقہوں نے چھلنی کر دیا ہے۔ تمام ہنگامے زخمی ہو کر تڑپ رہے ہیں۔ اور خوف زدہ لوگ اپنی اپنی سیٹیں چھوڑ کر اس طرح بھاگ رہے ہیں جیسے کوّا غلیل دیکھ کر بھاگتا ہے۔ آؤ مالِ غنیم پر ہاتھ صاف کریں!"

لنگڑے فراڈ کی دھواں دھار جوشیلی تقریر کی گرمی سے تمام فراڈ حرارت میں آ گئے۔ اور اپنی اپنی کرسیوں کے نیچے سے نکل کر غنیم کے مال پر پل پڑے مالِ مفت دلِ بے رحم کے مصداق ہر فراڈ نے اپنے اپنے توبڑوں میں ضرورت سے زیادہ مال ٹھونس لیا۔

داڑھی والے فراڈ نے دھوتی کی لانگ کو ڈھیلا کرتے ہوئے کہا "میرے یتیم بھائیو! آج کا شاندار پروگرام لنگڑے فراڈ کی فراڈوں بھری کہانی سے

شروع ہونا چاہئے۔ بھینگے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی تائید میں مونگ پھلی اور بھنے ہوئے چنوں کا کاغذی تھیلا میز پر رکھ کر اپنے بھائی بندوں کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ جیسے وہ کہہ رہا ہو۔ "اے میرے ترقی پسند دوستو! خدا تمہارے فراڈوں کو ترقی پذیر کرے۔ اور تمہیں تنزّل پسند بنائے۔ یہی میری دلی خواہش ہے۔ ویسے میں تم لوگوں کی ترقی پسندانہ رجعت پسندی کا برسوں سے قائل ہوں بس اب دیکھتے کیا ہو۔ اس حق حلال کی کمائی سے اپنے اپنے منہ رنگ لو۔"

توند والے فراڈ نے اپنی کُپّا سی توند کو بہ نظرِ غائر دیکھ کر مونگ پھلی اور چنوں کے کاغذی تھیلے کو گرسنہ نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "میرا تھیلا تو بہت بُری طرح اَٹا ہوا ہے۔ مگر کوئی بات نہیں۔ جیب ابھی تک خالی ہے۔ ساتھیو دیکھتے کیا ہو! چلو زادِ راہ ہی سہی۔"

توند والے فراڈ کی تجویز پر سبھی فراڈوں نے پھول چڑھاتے ہوئے اپنی اپنی جیب مونگ پھلی اور چنوں سے بھر لی۔ گنجے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کی کہنی سے ٹھوکہ کرتے ہوئے کہا۔

"برخوردار! تم کس سوچ میں مبتلا ہو؟ شروع کرو اپنی تر بتر کہانی کہ محفل گوش بر آواز ہے۔"

لنگڑے فراڈ نے اپنی لنگڑی ٹانگ کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "عمر کے اعتبار سے میں تم سب سے بڑا ہوں۔ گو اس بزرگی کی سند نہ تو میرے پاس ہے۔ اور نہ ہی میرے والدِ بزرگوار کے پاس۔ تاہم پھر بھی آپ یہ باور کریں کہ میں عمر میں آپ سب سے بڑا ہوں۔ میں نے کنوئیں کے مینڈک کی طرح دنیا دیکھ رکھی ہے

گو دنیا نے مجھے ابھی تک نہیں دیکھا۔ لیکن میں اپنے تجربات اور مشاہدات کے بل بوتے پر اس بات کا دعوے رکھتا ہوں کہ دنیا گول نہیں لنگڑی ہے اور اسی لئے میں ہر محفل میں اپنے لنگڑی مارنے سے نہیں چوکتا۔ یہ اور بات ہے کہ میری لنگڑی کی قیمت ابھی تک یہ بورژوا نظام نہیں ڈال سکا۔ لیکن مجھے یقین ہے اور تم بھی یقین کر لو کہ سُرخ انقلاب کے بعد میری لنگڑی کی اہمیت ایک دنیا محسوس کرے گی۔ اور اسی امید پر میں اپنی لنگڑی ٹانگ کی مالش بلاناغہ مٹی کے تیل سے کئے جا رہا ہوں۔"

توند والے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کی بات کاٹ کر کہا۔ "کیوں بھائی مسٹر لنگڑ دین! یہ مٹی کے تیل کا نسخہ آپ کو کسی حکیم جی نے بتایا تھا کیا؟"

"جی ہاں۔ مگر اس اکسیری نسخے کے فوائد میں آپ سب یتیموں کو نہیں بتاؤں گا۔" لنگڑے فراڈ نے فٹ بال سی توند پر شفقتِ پدرانہ سے ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ نسخہ میری ماں کو میری ماں کے نانا جان نے بتایا تھا اور ماں کہتی تھی کہ اُن کے نانا جان کی حکمت کا لوہا بڑے بڑے حکیم مانتے تھے۔ اُن کے ٹوٹکوں کی شہرت ہندوستان گیر ہی نہیں، بلکہ عالم گیر تھی۔ ان کے نسخوں سے بڑے بڑے دل گردے والے مریض بمعہ اپنے مرض کے اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف مارچ کر گئے۔ ماں کہتی تھی، کہ دو بار اُن پر قتل کا مقدمہ بھی بنا تھا۔ لیکن ان کے مجرّب نسخوں نے دونوں بار انہیں پھانسی کے تختے پر جانے سے بچا لیا۔"

داڑھی والے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کے مُنہ میں لگام دیتے ہوئے کہا۔

"اماں یار! ہمیں تمہاری ماں کے نانا جان کے نانا جان کی کہانی سے کیا حاصل۔ ہمیں تو تم اپنی سرگذشت سناؤ۔"

بھینگے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی تائید میں اپنی ٹیڑھی آنکھ بھینچ دی۔

"تو ہاں سنو بھائیو سنو۔ تم میری ہی سرگذشت سنو۔ چار بھائیوں کا کہا سر آنکھوں پر۔ تم میری لنگڑی ٹانگ دیکھ کر یہ مت سوچو کہ میں پیدائشی لنگڑا ہوں۔ حالانکہ میری اس ٹانگ کے متعلق عام لوگوں میں یہی پرچار کیا گیا ہے کہ یہ لنگڑا پن پیدائشی ہے۔ مگر آپ لوگوں سے کیا چوری۔ حقیقت یہ ہے کہ میں بچپن ہی سے فراڈی ہوں۔ اسکول کے دنوں میں ہی میں نے فن چوری میں کمال دسترس حاصل کر لی تھی۔ اور اس فن میں عمر کی پختگی کے ساتھ ساتھ پختگی آتی چلی گئی۔ اور میں اس فن میں پختہ کار ہوتا چلا گیا۔"

سب فراڈوں نے اپنی اپنی جیبوں میں پڑے ہوئے خالی بٹوؤں کو ٹٹولا۔ اور داڑھی والے فراڈ نے بڑے رشک سے لنگڑے فراڈ کو دیکھ کر کہا۔ "پھر تو آپ کی فرم بڑے مزے سے چل رہی ہوگی۔"

لنگڑے فراڈ نے کھسیاتے ہوئے جواب دیا۔ "گورو دیو! آپ کا آشیرواد حاصل کئے بغیر ہی میری فرم کا دیوالہ نکل گیا۔ اور میں دیوالیہ ہو کر آپ لوگوں کی کمپنی کا باضابطہ ممبر بن گیا۔ شروع شروع میں میری فرم خوب چمک رہی تھی۔ لیکن ایک دن بدقسمتی نے مجھے کماد کی چوری پر اکسایا تو میں کھیت میں گھس کر کماد توڑنے میں مشغول ہو گیا۔ مگر نہ جانے کھیت کے مالک نے مجھے کس طرح دیکھ لیا اور رنگے ہاتھوں پکڑ کر اس نے میری وہ مرمّت کی کہ چھٹی

کا دودھ یاد آ گیا۔ لیکن جاتے جاتے کم بخت ٹوٹے ہوئے کماد کی طرح میری ٹانگ بھی توڑ گیا۔"

سب فراڈوں نے لمبی لمبی ٹھنڈی آہیں بھر کر لنگڑے فراڈ سے ہمدردی کا مظاہرہ کیا۔ بھینگے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کی لنگڑی ٹانگ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔"تو آپ کی ٹانگ شریف کو کماد شریف کی چوری نے چکنا چور کر دیا۔"

"جی ہاں۔ اب تو ایسا ہی سمجھئے۔ اور آگے سنئے۔ میں اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگ لے کر گاؤں سے شہر چلا آیا۔ شہر میں آ کر مجھے بڑے بڑے تلخ تجربات سے دوچار ہونا پڑا۔ اور میں ایک اچھا شہری بننے کی کوشش میں جُٹ گیا۔ حالانکہ اچھا شہری بننا میرے دائیں ہاتھ کا کام تھا اور بائیں ہاتھ کا کرتب! کیونکہ وہ تمام خوبیاں مجھ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں جو ایک اچھے شہری میں ہونی چاہئیں۔ جوا، چوری، جیب تراشی، شراب نوشی، چارسو بیسی اور ان کے علاوہ دوسرے تمام فنونِ مردانگی میں گاؤں سے ہی اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ شہر میں آ کر حسِ تنہائی کا مجھے پہلے پہل احساس ہوا وہ یہی تھی کہ میں خواہ مخواہ کے لئے صاحب کمال لوگوں سے کنی کتراتا رہا۔ حالانکہ میں ان کے مقابلہ میں خود کو کسی طرح بھی جاہل تصور نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود مجھے جاہلوں سے دلی رغبت تھی۔ میں کم عقل اور کوڑ ذہن لوگوں میں اُٹھنا بیٹھنا اس لئے بھی پسند کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں میں بیٹھ کر میں اپنی اس امتیازی شان کو برقرار رکھ پاتا ہوں جو میری خودساختہ عظمتوں کا طرۂ امتیاز ہے۔"

توند والے فراڈ نے لنگڑے فراڈ کی بات کاٹ کر کہا۔" تو کیا تم ہم سب

کو جاہل اور کم عقل تصوّر کئے ہوئے ہو؟"

لنگڑے فراڈ نے اپنے مرجھائے ہوئے سیاہی مائل ہونٹوں سے مسکراہٹ کا بوجھ پھینک کر جواب دیا۔

"نہیں۔ میں آپ سب لوگوں کو ایسا نہیں سمجھتا۔ اور نہ ہی میں آپ کو ایسا سمجھنے کی حماقت کر سکتا ہوں۔ آخر آپ لوگ بھی تو میری طرح ترقی پسند ہیں۔ ترقی پسندی کی خواہش آپ سب کی فطرت کا جزوِ ثانیہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ سب لوگ بھی میری طرح رجعت پسندی کے اندھیرے کو اپنے ساتھ گھسیٹ رہے ہیں۔ کیونکہ یہ اندھیرا ہمیں وراثت میں ملا ہے۔"

داڑھی والے فراڈ نے اپنی داڑھی کو سنوارتے ہوئے کہا "ہاں بھائی سچ کہتے ہو۔ ہمارے آباؤ اجداد بھی کتنے مفلس تھے۔ غریب خود اندھیروں میں پنپے۔ اور ہمیں تاریکیوں میں ڈال گئے۔ روشنی کی ہلکی سی جھلک بھی ان لوگوں کو دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔"

بھینگے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی بات کو دھوبی پٹڑا مار کر پٹخنی دیتے ہوئے کہا۔ "سائیں بابا۔ یہ ترقی پسند نظریات جن کا اظہار تم یہاں کر رہے ہو۔ اگر کسی آزاد ملک کی آزاد قوم کے سامنے تم ان کا اظہار کرتے تو آپ کا منہ خاک سے، نہیں نہیں خاک میرے منہ میں، معاف کرنا سائیں بابا۔ آپ کا رو بلوں اور ڈالروں سے بھر دیا جاتا اور آپ عمر بھر ترقی یافتہ نظریات کی تحقیق میں لگے رہتے۔

داڑھی والے فراڈ نے بھینگے فراڈ کو دھوبی پٹڑے کا توڑ مارتے ہوئے

جواب دیا۔ "کیوں بکتے ہو۔ ڈالروں کا دلیش قیامت تک ترقی پسند نظریات کا حامل نہیں بن سکتا۔ البتہ روبل ... خیر جانے دو ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ کہانی کو اپنے فطری بہاؤ سے بہنے دو!"

لنگڑے فراڈ نے اپنی ٹانگ کو اپنی سرگذشت کی طرف موڑتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "شہر میں آکر مجھے اس روشنی کی جھلک دکھائی دی۔ جس روشنی کو نگلنے کے لئے رجعت پسندی کے اندھیرے بڑی تیزی سے آگے سرک رہے تھے۔ اور میں اس روشنی کو زندہ رکھنے کے لئے ترقی پسند بن گیا۔ اب میں ایک سنجیدہ ترقی پسند ہوں۔ دیگر مشاغل کے ساتھ ساتھ ہڑتالیں کروانے اور قومی مفاد کو نقصان پہنچانے کے لئے میں ہر وقت چوکس رہتا ہوں۔ ہڑتال میری زندگی کا مشرب ہے۔ مشرب اس لئے کہ میں خود ایک ازلی ہڑتالی ہوں۔ ویسے میں نے کہانیاں بھی لکھی ہیں اور ناول بھی۔ تنقیدی مضامین بھی اُگلے ہیں اور نظمیں بھی۔ میری ایک نظم کو ہندوستان گیر شہرت نصیب ہوئی ہے۔ مگر اتنا کچھ ہونے کے باوجود آج تک میرا کوئی مجموعہ مارکیٹ میں نہیں آیا۔ اور نہ ہی

کہا۔"یار تمہاری زندگی تو سو فیصدی ڈرائی کلین ہو چکی ہے۔ میری مانو تو فینائل
کی گولیاں منگوا کر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چوبی بکس میں بند کر کے کسی غیر آباد

انسپکٹر نے پوچھا۔ "تم کیا کرتے ہو؟"

میں نے جھٹ سے جواب دیا۔ "مائی باپ میں ایک ازلی ہڑتالی ہوں، اس لئے کچھ نہیں کرتا۔"

انسپکٹر نے اپنی جھلّے دار مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے دوسرا سوال کیا۔ "تم

یہ اور بات ہے کہ مفت کی شراب جس قدر بھی ہو، پیٹ میں انڈیل لیتا ہوں۔ اور

توڑ دوں گا۔ کیونکہ میں توڑ پھوڑ کا قائل ہوں۔ تخریب پسندی میری فطرت کا جزوِ
ثانیہ بن چکی ہے۔ اور میں ایک سچّا دہشت پسند ثابت ہو چکا ہوں۔ اس لئے اپنی سالم

ہو کر اپنے فراڈ بھائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"بھائیو! آپ کو معلوم ہے کہ میں خاندانی نواب ہوں. اور ایک نواب اپنے

دستر خوانوں تک میرا ہاتھ پہنچا دیا اور میں اپنے طلسماتی ہاتھ کا سہارا لے کر ان کے دستر خوان کے دستر خوان چٹ کر گیا۔ میرے ہاتھ کی صفائی نے ایک بہت بڑی ریاست کے بہت بڑے نواب کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ غریب اپنی ریاست

اس ظالم کی اس للکار نے میرا ریشہ خطمی کر دیا۔ اور میں یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو گیا کہ واقعی وہ میری پھونک نکال کر ہی دم لے گا۔ مجھے یوں لگا۔ جیسے سچ مچ ہی میری پھونک نکل گئی ہو۔ اور پھونک نکلتے ہی میں جوش سے ہوش

میرے منافی ہے۔ اور اگر منافی نہ بھی ہو تو بھی یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ کیونکہ

لگا ۔ اور میں اس شہرت سے بچنے کے لئے ترقی پسند بن گیا ۔ ترقی پسندی کی
باضابطہ ٹریننگ لے کر میں نے بڑی بڑی بھیانک اور دھواں دھار منظوم

"علم دین صاحب! ہوش میں آیئے اور حکومت کے خلاف اپنی گولہ باری
فوراً بند کیجئے۔ نہیں تو حکومت وقت....."

قصہ

کرتے ہوئے کہا۔" دڑھیل بابا۔ یہ کوئی امن کانفرنس کا پنڈال نہیں، جو تم اپنی انٹ

داڑھی والے فراڈ نے اپنی داڑھی کو حرکت میں لاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

[illegible] گرام سے سو فیصدی متفق ہوں ؟"

ہنگ فاڈ نے اپنی آنکھیں کرتے ہرن کو نمایاں کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔ آنکھیں موند کر دریا کا پیارا ہونے کے علاوہ میرے لئے اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ اس لئے میں دریا جی کا پیارا ہو گیا....."

سب فراڈوں نے ایک زبان ہو کر اللہ تعالے سے دعا مانگتے ہوئے کہا۔

"حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا!"

بھینگے فراڈ نے اپنی رام کہانی کو آگے لے جاتے ہوئے کہنا شروع کیا "دوستو! میں اپنی طرف سے ایک دم مر چکا تھا۔ بیوی بچوں کو رو چکا تھا۔ لاہور کے اخبار نویس کرمفرماؤں کو گالیاں دے چکا تھا۔ اور اپنے آپ کو کوس چکا تھا۔ مگر کسی رجعت پسند نے کہا ہے کہ ؎

جس کو راکھے سائیاں اس کو مار سکے نہ کو

میری زندگی تھی۔ اور میں بچ گیا۔ دریا کی لہریں مجھے مُردہ سمجھ کر میرے مردے کو خراب کرنے کے لئے میری بے حس و حرکت لاش کو ساحل کے دوسرے کنارے پر پھینک گئیں جہاں سے مجھے ماہی گیر اُٹھا کر اپنے گاؤں میں لے گئے۔ ماہی گیروں نے میری بڑی خاطر مدارات کی۔ اور میں کچھ دنوں کے بعد چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ غریب ماہی گیروں نے میری ہر طرح دل جوئی کی۔ کچھ روز اپنا مہمان رکھا اور پھر ایک دن میرے کہنے پر عمل درآمد کرتے ہوئے مجھے ملتان جانے والی بس میں ٹکٹ دلا کر بیٹھا گئے۔

لاہور کی کشش پھر سے میری زندگی کی طرح تازہ دم ہو گئی تھی۔ اب اخبار نویسوں کے دعوت ناموں کی بجھی بجھی سیاہی پھر سے چمک اُٹھی تھی۔ اور دل لاہور پہنچنے کے لئے مچل رہا تھا۔ لیکن جب ملتان پہنچ کر میں نے اپنے حلیہ شریف پر نظر ڈالی تو یقین مانئے میں سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ جیسے کسی بھیانک خواب

سے بچہ لرز جاتا ہے۔ دیکھتا کیا ہوں میری کمر کے ارد گرد ایک ڈھائی گز کی دھوتی جلوہ فرما ہے۔ اور گلے میں کالے رنگ کا ململ کا خستہ حال کرتہ رونق افروز ہو رہا ہے میں نے اپنی اس زبوں حالی کو سنبھالا دینے کے لئے ایک دوست کے گھر کی راہ لی۔ دوست کی نیک سیرت بیوی دروازے پر کھڑی اپنی کسی پڑوسن سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے مجھے اپنے گھر کے سامنے رکتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"جا بابا آگے جا۔ ہٹے کٹے ہو۔ بھیک مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی صبح ہوتے ہی بھیک مانگنے چلے آئے ہو۔ جاؤ جاؤ اپنا راستہ ناپو۔"

دوست کی بیوی نے جس طرح میرا آدر ستکار کیا تھا۔ اس کا احترام کرتے ہوئے میں نے اس بھلے مانس کی بچی اور شریف زادے کی بیوی کو اپنی گیدڑ جیسی آنکھوں سے گھورا۔ اور دوست کی دکان کی طرف ہو لیا۔

بازار کھلنے میں ابھی کافی دیر تھی اور میں نے یہی مناسب سمجھا کہ چلو دوست کی دکان کے تھڑے پر ہی بیٹھ کر یار کا انتظار کروں۔ دکان کے تھڑے پر بیٹھ اور لیٹ کر میں نے دو گھنٹے بیس منٹ کے طویل انتظار کا نیا ریکارڈ قائم کیا۔ مگر دوست نے آتے ہی بڑی لاپرواہی سے میری خستہ حالی پر ایک طنزیہ نظر ڈالی۔ اور مجھے تھڑا خالی کرنے کا اشارہ کیا۔ دوست کے اس رویہ پر میرا دل کٹ گیا۔ میں نے روتے ہوئے مرزا غالب مرحوم کا یہ شعر پڑھا۔

بنا کر گداؤں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

اس شعر پر میرا دوست چونک کر داد دیتے ہوئے بولا۔ "ارے یار رام مل تم! کہو

ڈھیرے سے کب آئے ؟"

اس سے پیشتر کہ وہ کوئی اور سوال کرتا میں نے اس کے منہ میں ہاتھ دے کر کہا "دیکھو دوست! اب مجھے رام مل کہہ کر گالی مت دینا۔ میری زبوں حالی کا مذاق اڑانا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ کیونکہ تم میرے لنگوٹیئے ہو۔۔۔ لنگوٹیئے۔۔۔ اور اب تو لوگ بھی مجھے رام مل کی جگہ فقیر کہتے ہیں۔ تم بھی اپنے ہی کھاتے میں میرا یہ نیا نام نوٹ کر لو۔"

"میرا دوست قہقہہ لگا کر بولا۔" آپ کا نیا نام تو آپ کے لباس سے ہی ٹپک رہا ہے۔ مگر میرے یار کتابت چھوڑ کر ملنگ کب سے بنے ہو۔ ذرا اس پر بھی تو کچھ روشنی ڈالو۔"

دوست کے اس بے تکے سے سوال کا میں نے صبر کا گھونٹ بھر کر جواب دیا۔ "ارے احمق! میں ملنگ نہیں شاعر ہوں۔ فقیر میرا تخلص ہے تخلص۔۔۔ آج کل میں شعر بکنے لگا ہوں۔" میرا یہ جملہ سن کر وہ بنیئے کا بچہ بالکل ہی سُن ہو گیا۔ اور مجھے پاگلوں کی طرح گھورتے ہوئے بولا۔ "ارے میرے یار رام مل! یہ فقیر کیا نام ہوا۔ اور یہ تخلص والا معاملہ تو میری سمجھ سے بالکل ہی بالاتر ہے۔ لوگ تو گالیاں بکتے ہیں اور تم شعر بکتے ہو۔ کہ شعر کہتے ہو۔ بھائی میرے۔ کہیں بھنگ ونگ تو نہیں چڑھا آئے۔"

میرا دوست خالص بنیئے کی اولاد تھا۔ میں حیران تھا کہ اس گدھے کی دُم کو تخلص اور شاعری کا مفہوم کیسے سمجھاؤں۔ اور پھر سچ بات تو یہ تھی کہ اپنا مطالعہ بھی واہ واہ تک ہی محدود تھا۔ اس لئے جیسے بھی ہوا میں نے اسے آئی گئی میں ٹرخا دیا اور ملتان سے لاہور تک کا کرایہ، زادِ راہ بمعہ ایک عدد پاجامہ اور قمیض کے وصول کیا اور لاہور پہنچ گیا۔"

توند والے فراڈ نے دل کڑا کر کے بھینگے فراڈ کو پیش آنے والی مصیبتوں پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا: "یار قسمت کے دھنی ہو۔ جو دریائے سندھ کے جبڑوں سے بچ گئے۔ ورنہ....."

بھینگے فراڈ نے ایک گرم گرم آہ کھینچی اور بیڑی کا دھواں منہ سے اگلتے ہوئے کہنا شروع کیا: "دوست جو بیت گئی سو بیت گئی۔ اب پچھلی مصیبتوں کا ذکر چھوڑو۔ اور میری سرگذشت کو متوازن رفتار سے آگے بڑھنے دو۔"

بھینگے فراڈ نے توند والے فراڈ کی ہمدردی کے جواب میں اتنا کہہ کر خاموشی اختیار کر لی۔

داڑھی والے فراڈ نے برا سا منہ بنا کر توند والے فراڈ کی جانب دیکھ کر کہا۔ "توندل جی! بھینگا فراڈ ٹھیک کہتا ہے۔ اگر ہو سکے تو اس کی کہانی کو بڑی خاموشی اور آرام سے اپنا سفر طے کر لینے دو۔"

بھینگے فراڈ نے گنجے فراڈ کو دیکھ کر کہنا شروع کیا: "قبلہ نواب صاحب! میرے فن کے لاہوری قدر دانوں نے مجھے ہاتھوں پر اُٹھا کر میرا جلوس انار کلی جیسے پُر رونق بازار سے نکالا۔ اور فقر زندہ باد کے نعرے لگائے۔ اور جب اہلِ جلوس میرے بوجھ کو سنبھالنے کی سکت کھو بیٹھے تو مجھے ریلوے روڈ کے ایک بک سٹال پر بٹھا کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور میں اس بک اسٹال پر ہی جم گیا۔ بک اسٹال کے مالک صاحب..... خود ایک بہت بڑے پبلشر تھے۔ ان کا شمار میرے فن کے سچے عاشقوں میں ہوتا تھا انہوں نے جذبۂ عشق کی لاج رکھتے ہوئے ایک شدھ ادبی ماہنامے کے اجراء کا اعلان اس سرعت سے داغ دیا کہ اعلان پڑھنے

دانے اور سننے والے دونوں ہی ششدر رہ گئے اور مجھے نظر بد سے گھورنے والوں کے دیدے پھوٹ گئے۔ میرے صاحب طرز کاتب ہونے کا گزٹ لاہور کے گلی کوچوں میں پھرنے لگا۔ جوق درجوق لوگ میرے درشنوں کے لئے آنے لگے۔ میرا فن کندن کی طرح چمکنے لگا۔ قسم خدا کی! لاہوری کاموں، ماجھوں کی عزت افزائی اور حسنِ سلوک کے لئے میں اب عمر بھر ترستا رہوں گا!

میں نے مکمل تیاری کے بعد اپنا ٹوٹا پھوٹا قلمدان سنبھال لیا۔ اور قلمکاری کے باضابطہ جوہر دکھانے میں جُٹ گیا۔ میری رات دن کی محنت سے ماہنامہ "ادب خفیف" دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا گیا۔ اور ایڈیٹروں کے نام قطب مینار کی بلندیوں پر چڑھتے گئے۔ ایڈیٹروں کی شہرت کی چمک دمک سے آپ کے اس خاکسار منشی فقیر کا نام گمنامی کے اندھیروں میں پھسلتا گیا۔ مطلب یہ کہ آپکے فقیر صاحب کاتب کے کاتب بنے ہوئے کتابت کے تختے سے چمٹے رہے مگر ایڈیٹروں کی اس دن بہ دن بڑھتی ہوئی شہرت نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اور میں ایڈیٹروں سے حسد کرنے پر مجبور ہو گیا۔ میری اس حسد نے غریب ایڈیٹروں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کھڑی کر دیں۔ اور ماہنامہ کے جنم داتا کا دل اپنی مٹھی میں کر لیا اور خود کاتب سے ایڈیٹر بن گیا۔ ایڈیٹر بن کر میں نے تمام نامور ادیبوں کو چاپلوسی اور مسکہ بازی سے اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور اس طرح ان سے اپنی قابلیت کی شہادت میں دو چار نہیں سینکڑوں تحریریں حاصل کر لیں۔

جریدہ کا نیک دل بوڑھا مالک میرے کرنامہ پر ناز اُٹھانے لگا۔ اور میں لمحہ بہ لمحہ پھیلنے لگا۔ کیونکہ میری گیدڑ جیسی چالاک اور زمانہ ساز آنکھوں نے باریک بینی

اور نقطہ سنجی کے تمام باریک نقطے دیکھ اور سمجھ لئے تھے ۔لہٰذا موقع محل نکال کر ایک
دن میں نے اپنے بذلہ سنج اور نقطہ فہم طنز نگار ہونے کا اعلان ایک سند یافتہ
منادی گر کو اُجرت دے کر لاہور کے گلی کوچوں میں کروا دیا۔"
داڑھی والے فراڈ نے بھینگے فراڈ کے بیان کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے کہا
"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ کی ایڈیٹری کو دن کو بھی تارے نظر آنے لگے۔"
"جی ہاں ۔اگر آپ کو کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہوتی ہو تو آپ ایسا ہی سمجھ لیں۔
مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" بھینگا فراڈ داڑھی والے فراڈ کی بات کا جواب دے کر
اپنی سرگذشت کی طرف مُنہ پھیر کر کہنے لگا۔
"مگر یارو! یہ ایڈیٹری کا کام بڑے دل گردے کا کام ہے اور پھر میں تو
بہ یک وقت ایڈیٹر بھی تھا اور کاتب بھی ۔شاعر بھی تھا اور طنز نگار بھی ۔میری
شاعری اور میری طنز نگاری کو ہندوستان گیر شہرت کا شرف حاصل ہے ۔میں نے
بڑے بڑے "لائی ٹکینوں" کو اپنی طنز کے ٹوٹے ہوئے نشتروں سے فنا کر دیا
ہے ۔اور میری قوتِ شاعری نے مونگ پھلی چبا چبا کر بڑے بڑے بادام کھانے
والے پھانے خان پہلوانوں کے حُلیئے بگاڑ دیئے ہیں ۔قریب قریب آدھی درجن
کتابوں کا اکلوتا مصنّف ہونے کا فخر بھی آپ کے اس خاکسار کو حاصل ہے ۔گو کتابیں
لکھ کر میں نے کمایا کچھ نہیں ۔لیکن ان کتابوں کے بل بوتے پر بڑے بڑے سرمایہ
داروں کے ہونہار شہزادوں کے بٹوے میں نے اکثر خالی کروا دئے ہیں۔"
داڑھی والے فراڈ نے پیتل کی مریل سی فریم والی عینک کو ناک کی نوک
پر جما کر بھینگے فراڈ کی چُندھی چُندھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "بھینگے یار ۔ تم تو

چھپے رستم نکلے۔ آدھی درجن کتابیں تصنیف کر ڈالیں اور یار لوگوں کو خبر تک نہ ہونے دی۔"

بھینگے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چپ چاپ اپنی کرسی پر جما ہوا دور افق کی نیلی گہرائیوں کو گھورتا رہا۔ بھینگے فراڈ کے اس غیر معمولی تغیر پر سب فراڈ سٹپٹا اُٹھے۔

توند والے فراڈ نے ساتھ والی ٹیبل سے ایک اجنبی گاہک کے سامنے سے گرم گرم چائے کا لبریز پیالہ اٹھا کر بھینگے فراڈ کے ہونٹوں سے لگا دیا جس سے بھینگا فراڈ ہڑبڑا کر ہوش میں آتے ہوئے بولا۔

"دوستو! کیا بات ہے مجھے خواہ مخواہ کے لئے پریشان کیوں کر رہے ہو؟ میری کہانی کا دلچسپ حصہ تو کب کا ختم ہو چکا ہے۔ اب میرے پاس کوئی خوبصورت بات نہیں بچی۔ یا یوں سمجھ لو کہ اب میرے ترکش کے سبھی تیر ختم ہو چکے ہیں۔"

لنگڑے فراڈ نے بھینگے فراڈ سے درخواست کرتے ہوئے پوچھا۔

"برادرم! تم آج کل کیا کر رہے ہو؟ یعنی تمہارا شغل کیا ہے؟"

"میرے ہم پیشہ لوگو! میں آج کل ہر صاحبِ رائے اور صاحبِ نام کو اپنے طنزیہ پھکڑپن سے مجروح کرتا ہوں۔ اور ان کی سادہ لوحی کو جُل دے کر اُن سے چائے پیتا ہوں۔ پکوڑے کھاتا ہوں۔ سگریٹ مارتا ہوں۔ وہسکی چڑھاتا ہوں اور پھر تماش بینی کرتا ہوں۔ اچھے اچھوں کو چپنے لگانا میرے دائیں ہاتھ کا کام ہے۔ اس لئے آپ اپنا آپ سنبھال کر رکھیں کیونکہ میرا فن اپنے پرائے کسی کو معاف نہیں کرتا۔ اگر ہو سکے تو اب مجھے لاہوری

گاموں، ماجھوں کی یادیں دو چار لسٹوں سے بہالینے دو ــــ اور بس ــــ بس یہی رہنے دو ــــ!"

قصہ پانچویں

وزیرزادہ کا

گذشتہ ادبی نشست کے بعد آج وہ پانچوں فراڈ "آزاد پارک" کی ہری ہری گھاس پر بیٹھ کر ایک دوسرے کے آنسو پونچھ رہے تھے۔ بھینگے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی داڑھی سے دستمال کا کام لیتے ہوئے کہا۔ "کیا میں آپ لوگوں سے رونے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔"

لنگڑے فراڈ نے اپنی ناک کا مواد صاف کرتے ہوئے کہا "میرے بھینگے فراڈ! تمہارے اس سوال کا جواب تو تمہاری اپنی روتی ہوئی آنکھیں بھی دے سکتی ہیں۔ ذرا جیب میں جھانک کر دیکھو یا گریبان میں منہ ڈال کر آئینہ پر ایک نظر ڈال لو۔"

بھینگے فراڈ نے اپنی بٹن جیسی آنکھوں سے لنگڑے فراڈ کے گرد سے اٹے ہوئے چہرے کو گھورتے ہوئے کہا۔ "بھائیو! میں تو آپ سب کو روتا ہوا دیکھ کر رونے

لگا ہوں۔ ورنہ میں عورتوں کی طرح بات بات پر رونے کا قائل نہیں۔"

گنجے فراڈ نے بھینگے فراڈ کی بات پر چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے آنسو مگرمچھ کے آنسو ہیں۔"

توند والے فراڈ نے گنجے فراڈ کی بات کو لفٹ دیتے ہوئے کہا۔ "حضور! آپ ٹھیک فرماتے ہیں۔ میں نے آج تک اِن گیدڑ جیسی آنکھوں کو روتے ہوئے نہیں دیکھا حالانکہ ان آنکھوں کو دیکھتے دیکھتے میری زندگی کے کئی سال ماضی کے اندھے غار میں لڑھک گئے ہیں۔ اور میری توند کا گھیرا۔۔۔۔ کیا کہوں، کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

گنجے فراڈ نے بھینگے فراڈ کو معنی خیز نظروں سے تاڑتے ہوئے کہا۔ "عزیزم یہ مگرمچھ کے آنسو داڑھی والے فراڈ کی داڑھی سے پونچھ ڈالو۔ تمہارے لئے میرا یہی معقول مشورہ ہے۔ ع

وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

آج کی ملاقات کے یہ سُہانے لمحات، یہ ہری ہری گھاس اور وہ سامنے منڈھیر کی دیوار پر گکو کی نیم عریاں تصویر دیکھ کر میری طبیعت بے اختیار ہوتی جا رہی ہے۔"

داڑھی والے فراڈ نے گنجے فراڈ کے موڈ کے تیور بھانپتے ہوئے کہا

"میرے خیال میں تو آج کا پروگرام جنابِ توندل کی پھولی ہوئی داستان کے لئے ہی وقف کیا جائے تو بہتر ہے۔ ورنہ اپنی تصویر کا آخری ٹچ یوں ہی رہ جائیگا پھر خدا جانے یہ فرصت کی گھڑیاں میسر آئیں کہ نہ آئیں۔ اور اپنی چنڈال چوکڑی اس طرح جمنے پائے کہ نہ پائے۔ لہذا آج توندل فراڈ کی کہانی سے اپنی فراڈ وں بھری کہانی کا فنشنگ ٹچ ہو جانے دو۔"

لنگڑے فراڈ نے اپنی پلاسٹک کی ٹانگ کو ہری ہری گھاس پر پسارتے ہوئے کہا۔ "سائیں بابا۔ آپ کی تجویز قابل قبول ہی نہیں بلکہ قابل تقلید بھی ہے۔"

بھینگے فراڈ نے اپنی چُندھی آنکھوں کو نچا کر توند والے فراڈ کی توند پر تھپکی لگاتے ہوئے کہا۔ "آیئے حضرت آیئے بیچ اکھاڑے کے۔ ہو جائیں دو دو ہاتھ۔"

توند والے فراڈ نے اپنی کپّا سی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "بھائیو! کیا چمڑی کیا چمڑی کا شوربہ کے مصداق کیا میں اور کیا میری داستانِ حیات۔ میری پھولی ہوئی توند پر نہ جاؤ۔ اس میں کوئی بھی گہرا بھید چھپا ہوا نہیں۔ بلکہ یہ تو محض ہوا سے پھولی ہوئی ہے۔"

لنگڑے فراڈ نے توند والے فراڈ کی بات کا تعاقب کرتے ہوئے کہا۔ "ابے یار! خواہ مخواہ کا تکلف کیوں کر رہے ہو؟ تمہاری توند تمہاری توند ہے، کوئی ڈنلپ کا ٹائر نہیں۔ بنتے کیوں ہو، اپنی پھولی ہوئی توند میں بھرے ہوئے رنگ برنگے فراڈ اب اُگل بھی دو۔"

توند والے فراڈ نے لمبی سی آہ بھر کر کہنا شروع کیا۔ "دوستو! میری پیدائش متوسّط طبقہ کے ایک کھاتے پیتے گھرانے میں ہوئی۔ لیکن میری بُری عادتوں نے مجھے اپنے آبائی گھرانے میں ٹکنے نہ دیا۔ چھوٹی سی عمر میں ہی میں نے پان بیڑی سگریٹ کا شوق اپنا لیا تھا۔ باوجود اس کے میرے گھر والوں کے مذہبی عقیدوں کے مطابق مجھے اس شوق سے سخت قسم کا پرہیز کرنا لازمی تھا۔ لیکن چونکہ میں فطرتاً باغی پیدا ہوا ہوں۔ اس لئے میں نے مذہب کی ان روایتی پابندیوں کی دفعہ ۱۴۴ کو توڑ ڈالا۔ اور کھلم کھلا اپنے شوق کی تکمیل میں جُٹ گیا۔ ماں باپ، بہن بھائی کنبہ قبیلہ چھوڑ چھاڑ

کر سر منہ صاف کرالیا۔ رفتہ رفتہ سگریٹ، پان، بیڑی کے شوق نے پاؤں پھیلانے شروع کر دیئے اور دوسرے تمام دنیا کے عیب میرے عیبوں کی چادر میں آچھپے غرضکہ آپ کا یہ پہلوان فراڈ سگریٹ، چرس، گانجا، بھنگ، افیم اور شراب یعنی کہ ہر قسم کے منشیات استعمال کرنے میں منہمک ہو گیا۔"

گنجے فراڈ نے توند والے فراڈ کی بات کاٹ کر پوچھا۔ "مگر اتنے سارے عیب کرنے کے لئے تمہارے پاس اتنا روپیہ کہاں سے آتا تھا؟"

توند والے فراڈ نے گنجے فراڈ کی جانب اپنی فٹ بال نما توند کو موڑتے ہوئے جواب دیا۔ "قبلہ نواب صاحب! جالندھر کے تمام ملنگ اپنے یار تھے اور قلندروں کے تمام تکیوں پر اپنا آنا جانا تھا۔ جہاں تمام دن بھنگ کے رگڑے لگتے اور سلفی کی لاٹ اٹھتی رہتی۔ ہائے کیا دن تھے وہ بھی۔ اب تو صرف ان دنوں کی یاد ہی یاد باقی ہے لیکن میری ان حرکتوں نے میرے والد محترم کی صحت پر بہت ہی برا اثر ڈالا۔ ان کا نام میرے کارناموں سے کچھ اس طرح روشن ہو گیا کہ گلی محلّے میں جس گامے گھسیٹے کو دیکھو اس کی زبان پر یہ رٹا رٹایا فقرہ تڑپ رہا ہے "سردار صاحب کا لڑکا بی۔اے کرتے ہی ایک دم آوارہ ہو گیا ہے۔ شریف باپ کی بے داغ عزت کو چار چاند لگا رہا ہے۔ بھگوان ایسی اولاد کسی دشمن کو بھی نہ دے۔" غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن ان باتوں کا اثر میرے والد صاحب پر میرے حق میں کچھ اچھا ہی پڑا۔ اور وہ گلی محلے والوں کی باتوں سے تنگ آ کر مجھ سے سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ انکی اس کمزوری سے شہ پا کر میں نے اپنا فیل آگے بڑھا دیا اور شطرنج کی بازی میرے حق میں پلٹ گئی۔ اب مجھے باقاعدہ جیب خرچ ملنے لگا۔ اور میں نے ملنگوں اور قلندروں کے

تکیوں کی صحبت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لیکن بار اور ہوٹلوں کے دروازے میرے لئے کھل گئے۔ اور آپ سب کا یہ مرید اپنے بورژوا باپ کی کمائی سے سعادتمند پر وتاری بیٹے کی طرح خوب گلچھرے اُڑانے لگا۔"

لنگڑے فراڈ نے حسد بھری نگاہوں سے توند والے فراڈ کو گھورتے ہوئے کہا "میرے توندل بھائی! آخر تمہاری قسمت یاوری کر گئی۔"

توند والے فراڈ نے بے دلی سے مسکراتے ہوئے لنگڑے فراڈ کی جانب دیکھ کر جواب دیا۔ "بے شک میں نصیبے کا دھنی ہوں۔ بی۔ اے کرنے کے بعد میں نے آج تک کوئی کام دھندا نہیں کیا۔ سوائے نت نئے فراڈوں کے، مگر اس پر بھی میری زندگی پورے رئیسانہ ٹھاٹ سے وقت کی چھاتی پر روندتا رہی ہے اور یہ سب میری فراڈانہ صلاحیتوں کا فیض ہے۔"

"بے شک بے شک!" داڑھی والے فراڈ نے توند والے فراڈ کی توند پر تھپکی لگا کر کہا۔ "بھیّا یہ دَور ہی ہم جیسے فراڈوں کا ہے۔ سادہ لوح بندے تو آج کی منڈی میں ٹکے سیر کے حساب سے تُل کر بکتے ہیں پھر بھی اُن کو مارکیٹ میں کوئی نہیں پوچھتا۔"

لنگڑے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی خشک داڑھی کو چوم کر کہا۔ "بزرگوارم آج بڑے موڈ میں آکر چہک رہے ہو۔ خیریت تو ہے؟"

گنجے فراڈ نے اپنی غلافی آنکھوں کے لال لال ڈورے نکال کر کہا! او لنگڑے آخر یہ سب کیا بدتمیزی ہے۔ توندل بھائی کی کہانی کو کیوں خراب کر رہے ہو۔ سیدھے ہو جاؤ۔ ورنہ تمہاری دوسری ٹانگ بھی ٹیڑھی ہو جائے گی!"

گنجے فراڈ کی لال لال آنکھیں دیکھتے ہی لنگڑے فراڈ کی نانی مر گئی۔ اور اُس

نے ایک دم مون برت دھارن کر لیا۔ توند والے فراڈ نے اپنی کہانی کا سلسلہ شروع کیا۔
"دوستو! سنو میری گڈی خوب چڑھی ہوئی تھی اور میں پیچ لڑانے کے پورے موڈ میں آیا ہوا تھا۔ لیکن خدا معلوم میرے اس شبابی موڈ کا سراغ میرے ایک رجعت پسند دوست نے کیسے لگا لیا اور نہ جانے وہ کہاں سے مانجھا سوت کر لئے آیا۔ بس پھر کیا تھا میری گڈی کا "وہ کاٹا وہ کاٹا" ہو گیا"۔
داڑھی والے فراڈ نے توند والے فراڈ کی بات کاٹ کر کہا۔ "برخوردار! یہ کون سی بھاشا بول رہے ہو؟ اپنی سمجھ میں تو خاک نہیں آیا؟"
توند والے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی کھردری داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا "جناب داڑھی میجر صاحب! یہ بھاشا آپ کی سمجھ میں آنے والی نہیں۔ کیونکہ آپ اپنی عمر کا وہ حصہ بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ اور میں آپ کی دعا سے آپ کے حفیظ جالندھری کے قول کے مطابق "ابھی تو میں جوان ہوں" کے نغمے الاپ رہا ہوں۔ میری جوانی برساتی نالے کی طرح پورے جوبن پر ہے۔ مطلب یہ کہ ان دنوں جوانی کے نالے کا بہاؤ بڑی شدت پر تھا۔ اور میں اس بہاؤ کی تندی کو کم کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ میں اپنے پلان کو عملی صورت دینے کی فکر میں ادھر اُدھر مارا مارا پھر رہا تھا۔ مگر میری اس حالت غیر کا پتہ میرے ایک رجعت پسند دوست کو چل گیا۔ اور ایک دن اس ظالم نے مجھے "کیپٹل بار" میں پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "یار مست! ہم بھی تو تمہارے چاہنے والوں میں سے ہیں۔ پھر ہم سے یہ پردہ داری کیوں؟" میں نے سوچا آخر دوست ہی تو ہے پھر دل کا چور چھپانے سے کیا حاصل؟ بس میں نے اتنا سوچ کر اس شیطان کے بچے سے صاف صاف کہہ دیا۔ "لے برادرِ عزیز! اگر تمہیں اس پہلوانِ ادب کی زندگی

مطلوب ہے تو فوراً میرے شباب کے منہ زور گھوڑے کے منہ میں لگام دو۔ ورنہ یہ سرکش گھوڑا میری ہڈی ہڈی کا کچومر نکال کر میرا میدہ بنا ڈالے گا۔ اور تم سب لوگ دیکھتے کے دیکھتے رہ جاؤ گے۔ اگر میری کچھ مدد کر سکتے ہو تو فوراً کرو۔" اس نے میرا لب لباب سمجھ کر بڑی لمبی چوڑی ٹھنڈی آہ بھری۔ اور میرے منہ کی طرف اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ کر بولا۔" یار مست۔ معاملہ کافی سنجیدہ ہے لیکن میرے ہوتے ہوئے تم کوئی غم نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" رجعت پسند دوست کی ہمدردی نے مجھے سکاچ کا آرڈر دینے پر مجبور کر دیا — سکاچ کا دور شروع ہو گیا۔ چار پیگ پینے کے بعد میرے دوست کے سینے میں سوئی ہوئی تمام ہمدردی ایکدم انگڑائی لے کر جاگ اٹھی۔ اور وہ مجھے مخاطب کرتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں بولا۔" یار مست! تم تو شاعر ہو' اور شاعر کی بیاض ہر وقت شاعر کے پاس ہوتی ہے۔ اگر تمہاری بیاض بھی اس وقت تمہارے پاس ہو تو فوراً نکال لو۔" بس صاحب میں نے اپنی جیب سے ایک ضخیم بیاض نکال لی۔ میرے ہاتھوں میں بیاض دیکھ کر وہ اپنا قلم مجھے تھما کر بولا۔" لکھو میرے بھائی لکھو۔ میں جو کچھ لکھواؤں وہ لکھو۔ دیکھنا ذرا صاف صاف لکھنا۔" اس کے اس حکم کی تعمیل میں اس کا قلم میری بیاض کے صفحوں پر سرپٹ دوڑنے لگا۔ اس نے شہر کی تمام کٹنیوں کے نام اور پتے مجھے لکھوا دیئے۔ اور شہر کے تمام خفیہ اڈوں کے راستے مجھے عالمِ سرمستی میں بتا دیئے۔ میں اس کی جنرل نالج سے اس قدر متاثر ہوا کہ کیا بتاؤں۔ جام پہ جام چڑھا کر جب ہم دونوں تھک گئے۔ تو بار سے باہر نکل آئے۔ میرا یار بھی میری طرح سخت نشے میں تھا۔ وہ اپنی لڑکھڑاتی ہوئی نشیلی بھاشا میں بولا۔" اچھا یار جی اب ہم چلے۔" اور وہ اتنا کہہ کر چلتا بنا۔

اور میں بوجھل بوجھل قدموں سے خفیہ اڈوں اور کینٹینوں کی تلاش میں نکل پڑا۔ میرے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے اور میں سکاچ کے نشے میں ڈوبا ہوا سر سے پاؤں تک مخمور ہو رہا تھا۔ آخر گرتے پڑتے میں نے ایک ٹھکانہ تلاش کر ہی لیا۔ قصّہ یوں ہوا کہ ایک صحن کو گلی سے محفوظ کرنے والی چار فٹی دیوار میرے چھ فٹے قد کے سامنے سے آپ ہی آپ سرک گئی۔ اور میں دیوار پھاند کر صحن میں کود گیا۔ اب صحن میں پہنچ کر دیکھتا کیا ہوں کہ صحن کے ایک کونے میں چولھا جل رہا ہے اور ایک بھاری بھرکم یعنی میرے ہی سائز کی عورت روٹیاں سینک رہی ہے۔ گرم گرم روٹیاں دیکھ کر میری بھوک اور بھی چمک اٹھی۔ اور میں چپ چاپ روٹیوں کی پرات کی طرف بڑھ گیا۔ مگر صاحب! اس بھاری بھرکم عورت کو اندھیرے میں نہ جانے کیا سوجھا کہ لگی چور چور کا شور مچانے۔ اس کا واویلا سن کر اڑوس پڑوس کے سبھی بیکار اور آوارہ مزاج چھوکرے مجھے گھیر کر اس کے صحن میں اکٹھے ہو گئے۔ میں نے ان چور کے بچّوں کو لاکھ سمجھایا کہ شریف زادو! میں کوئی چور ڈاکو یا لفنگا نہیں۔ میں کوئی بدمعاش یا اُچکا نہیں۔ میں ایک شریف بھوکا ہوں۔ گرم گرم روٹیوں کی بھینی بھینی خوشبو نے مجھے اس صحن میں آنے کی دعوت دی تھی۔ میں ایک شریف خریدار ہوں نقد دام دے کر روٹیاں لوں گا۔ ہجوم میری ان اوٹ پٹانگ باتوں سے اور بھی بھڑ گیا۔ اور قانون شکنی کرتے ہوئے میری مار پٹائی پر اُتر آیا۔ اب مجھے وہ بے بھاؤ کی پڑنے لگی کہ 'اللہ دے اور بندہ لے' والا معاملہ بن گیا۔ میں نے اپنی گلو خلاصی کے لئے ہاتھ پاؤں تو بڑے مارے مگر بے سود! ایک دو ہوتے تو میں ان سے نپٹ لیتا۔ مگر صاحب وہاں ایک دو کا ذکر ہی کیا دنیا بھر کے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ سچ مانئے پنڈت نہرو کا بھاشن سننے کے لئے بھی کبھی اتنے لوگ جمع نہ ہوئے ہوں گے۔ ایک اچھے

خاصے ہجوم کے سامنے میری بے عزتی ہو رہی تھی۔ اور میں دل ہی دل میں اپنے رجعت پسند دوست کو گالیاں دے رہا تھا۔ "سالا نہ ملتا نہ یہ حشر ہوتا۔ خدا غارت کرے" اُس بدمعاش کے خلاف یہ دعا میرے دل سے سر اُٹھا ہی رہی تھی کہ وہ مردود بھی وہیں آ پہنچا۔ اسے دیکھ کر میری جان میں جان آئی اور میں اسے رحم بھری نگاہوں سے تکنے لگا مگر بیکار۔ اس اُلّو کے چرخے کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر کھلتی ہوئی مسکراہٹ کو دیکھ کر میرا کلیجہ ہی کٹ گیا اور میں ترقی پسند نظریئے کے تحت اپنے رجعت پسند دوست کی اس حرکت پر غور و خوض کرنے لگا۔ اس غور و خوض کے جوں جوں مراحل طے ہوتے گئے میرے ہاتھ پیروں کے طوطے اُڑنے گئے اور میرے دل کی مینا دم توڑتی گئی۔ اور بالآخر میری سوچ اس نتیجے پہ پہنچ کر رُک گئی کہ یہ سبھی رجعت پسند گولی مار دینے کے قابل ہیں۔ اور اگر ان کو گولی کا نشانہ نہ بنایا گیا تو یہ ہم ترقی پسندوں کا دلیا ہی بنا ڈالیں گے۔ لہٰذا میں نے فوراً اپنی پارٹی کو اس فیصلے سے آگاہ کرنے کا پروگرام مرتب کر لیا۔

ہجوم مجھے گالیاں دے رہا تھا۔ طرح طرح کے شریفانہ القابوں سے نواز رہا تھا اور میں ٹکر ٹکر اپنے رجعت پسند دوست کو پیار بھری نظروں سے گھور رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ کم بخت سکاچ کی لاج ضرور رکھے گا۔ مگر صاحب سکاچ کی لاج کیسی۔ وہ سکاچ نوش تو سکاچ حرام نکلا۔ اور لگا لوگوں کو بھڑکانے، کہ "اس مسٹنڈے کو فوراً تھانے لے چلو یہ کوئی خاندانی جرائم پیشہ معلوم ہوتا ہے۔ دیو کا دیو، اکیلی عورت کو دیکھ کر گھر میں گھس آیا۔ سالے کا سوٹ دیکھو اور کرتوت دیکھو۔" اس حرام کے ...... کی تقریر سُن کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ اور ہجوم کا غصّہ دوبالا ہو گیا۔ تھانے میں بند ہونے سے زیادہ مجھے اپنے جیب خرچ کے بند ہونے کا ڈر تھا۔ عزّت وزّت ایک معمولی سی چیز ہے ہم ترقی پسندوں کے لئے

اور پھر اس معمولی سے حادثے سے میری عزت کا بگڑنا بھی کیا تھا۔ اور پھر اگر بگڑنے کا اندیشہ بھی تھا تو صرف ایک فیصدی جو کہ نہ بگڑنے کے برابر تھا۔"

لنگڑے فراڈ نے داڑھی والے فراڈ کی داڑھی سے توند والے فراڈ کا پسینہ پونچھ کر کہا۔ "میرے یار! عزت، عزت سالی تو بازار سے اور بھی مل سکتی ہے۔ اچھا کیا جو تو نے اس بدبخت کا خیال ہی نہیں کیا۔ ورنہ منٹے بال سی توند کب کی پچک گئی ہوتی۔"

"تو ہاں صاحب اس رجعت پسند دوست کی مہربانی سے لوگ مجھے حالات میں بند کروا کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ مگر جب اس حادثے کی اطلاع والد صاحب کو ملی تو وہ بھاڑے کا تانگہ لے کر تھانے میں آدھمکے۔ اور مجھے کسی نہ کسی طرح کوتوال صاحب کی مٹھی گرم کر کے تھانے سے اغواء کر کے اپنے ساتھ گھر لے گئے۔

گھر پہنچتے ہی انہوں نے اپنی کلف لگی سفید پگڑی میرے قدموں پر ڈال کر کہا "میرے سعادت مند بیٹے! تو پیدا ہوتے ہی کیوں نہ مر گیا۔ کم بخت تیرا ستیاناس ہو۔ تو نے مجھے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا۔ تجھ جیسی اولاد سے تو میں بے اولاد ہی رہتا تو اچھا تھا۔ اگر تجھ میں رتی بھر بھی غیرت ہے تو چلو بھر پانی میں ڈوب مر!"

میں نے ٹھنڈے دل سے ان کی بات کاٹ کر جواب دیا۔ "دار جی! اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو میں آج ہی ریل کے انجن کے نیچے سر رکھ کر اپنا "رام نام ست" کر لیتا ہوں۔ مجھے اطمینان سے جانے دیں اور مزید کوئی جلا کٹا فقرہ مجھ پر چسپاں نہ کریں۔ بس یہی میری آخری خواہش ہے۔"

میرا تیر ٹھیک نشانے پر لگا اور دار جی چیخ کر بولے۔ "جا سالے جا، میری طرف سے کل کا مرتا آج مر، ابھی اور اسی وقت مر میری جوتی سے۔ تیری پڑھائی لکھائی پر جو روپیہ

لگایا ہے سمجھ لوں گا کہ ڈاکو لوٹ کر لے گئے ہیں۔ جا اسی وقت میری نظروں سے دور ہو جا۔ میں تیری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔"

سو حضرات میں اسی وقت جوتے بغل میں دبا کر گھر سے نکل بھاگا۔ اسٹیشن پر پہنچ کر میں نے انجن کے نیچے آنے کی بڑی کوشش کی۔ مگر خدا معلوم میں انجن کے نیچے آنے کی بجائے ریل کے ڈبے میں کیسے بیٹھ گیا۔ شاید آپ لوگوں تک پہنچنا تھا۔ شاید ابھی میری زندگی نے ابھی کچھ اور معرکے مارنے تھے۔ شاید ....."

گنجے فراڈ نے توند والے فراڈ کو بد دعا دیتے ہوئے کہا۔ "خدا تمہیں عمر خضری عطا کرے اور تم اپنے باپ دادا کا نام حسب معمول روشن کرتے پھرو۔"

داڑھی والے فراڈ نے گنجے فراڈ کو حاسدانہ نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "آپ نے تو اپنا حقِ بزرگی ادا کر دیا۔ اب ہم کیا کریں۔"

بھینگے فراڈ نے سائیں بابا کی داڑھی کھینچ کر کہا۔ "یار تم بڑے نقلچی بندر ہو۔ خواہ مخواہ نواب صاحب کی جامہ تلاشی لے رہے ہو۔ اگر کچھ جیب میں ہو تو ہری ہری چادر پر پھینک دو۔ نہیں تو چپ رہو۔ چپ بالکل چپ!"

توند والے فراڈ نے پہلو بدل کر بولنا شروع کیا۔ "بھائیو! دو چار سال آوارہ گردی کرنے اور فاقوں مرنے کے بعد میرا دل گھر کی یاد میں اُداس اُداس اور کھویا کھویا سا رہنے لگا۔ یار لوگوں نے بہتیرا پوچھا۔ یار مست! آج کل کچھ کھوئے کھوئے سے رہتے ہو۔ معاملہ کیا ہے؟ اب آپ ہی بتائیں۔ میں ان احمقوں کے اس سوال کا کیا جواب دیتا۔ ان سے کیا کہتا کہ آج کل مجھے ماں کے پراٹھے اور دار جی کی کلف لگی پگڑی کی یاد ستا رہی ہے۔ آخر ایک دن میں تمام دوستوں کی جیبوں پر ہاتھ صاف کر کے

نو دو گیارہ ہوگیا۔ یعنی کہ میں بمبئی سے جالندھر پہنچ گیا۔ ماں کے پیار اور باپ کی شفقت نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ان کا خیال تھا کہ اب مجھے کچھ ہوش آگیا ہوگا۔ مگر یہاں تو ہوش گیا ہوتا تو آتا۔ لیکن وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے۔

اب میں نے اپنے چال چلن کا ظاہری رنگ روپ کافی بدل لیا تھا۔ باطن تو وہی تھا۔ خیر باطن کی چھوڑیئے اور آگے سنئے۔ آپ کا یہ خاکسار بمبئی میں رہ کر فنِ چمچہ گیری میں بڑا طاق ہوگیا تھا۔ اور میری اس چمچہ گیری نے میرے فن کو دنوں میں نہیں تو ہفتوں میں جالندھر گیر شہرت کا مالک بنا دیا۔ جب میری شہرت کی بھینی بھینی خوشبو سارے شہر میں پھیل گئی تو مجھے جالندھر کے ریلوے اسٹیشن سے باقاعدہ پروگرام ملنے لگے۔ اور میں باقاعدہ اسٹیشن جانے لگا۔ لیکن میری اس سیمابی فطرت نے مجھے اسٹیشن میں بھی چین سے نہ ٹکنے دیا۔

ہوا یہ کہ مجھے ہڑتال کرا کے اپنی لیڈری چمکانے کی سوجھی۔ اور جب کسی آدمی کا نام چمک جاتا ہے تو وہ اپنی لیڈری کو چمکانے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے اور میں اس فطری عمل پر عمل درآمد کرنے میں لگ گیا۔ میرے سامنے اسٹیشن پر ایک دم ہڑتال کرانے کا پروگرام تھا۔ اور میرے جاں نثار ساتھی اس پروگرام کو کامیاب بنانے میں رات دن ایک کئے ہوئے تھے۔ میرے بہت سے ساتھیوں میں ایک رجعت پسند شاعر کا نیم ترقی پسند شاعر لڑکا بھی تھا۔ دیکھنے میں بڑا بھولا بھولا اور سیدھا سادہ اس کا نام کچھ راجکماروں جیسا تھا۔ مگر اس کا تخلص مجھے یاد نہیں کہ کیا تھا۔ مگر کچھ تھا ضرور۔ اس سالے کے دل میں خدا جانے کیا آئی کہ اس نے عین وقت پر ہماری سازشوں کا بھانڈا اریل بازار کے چوراہے پر پھوڑ دیا۔ پولیس ہماری تلاش میں مصروف ہوگئی۔ اور ہم سب جالندھر چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

اب میں آپ کے سامنے ہوں۔ قد و قامت اور جسم کے اعتبار سے میں وہی جالندھر والا ہوں۔ مگر اب آپ کی دہلی نے مجھے اپنے دریا دل میں سمو لیا ہے۔ اب میرے پیٹ کی طرح میری جیب پر بھی موٹاپا چھا رہا ہے۔ اور باقی سب آپ کی دعا ہے ــــــ ٹاٹا ــــ بائی بائی ــــ چیریو۔"

24157
9.1.59
ALLAMA IQBAL LIBRARY
24157